ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.4.2025

بلتی لوک گیتوں میں تانیثی رجحانات

FEMININE TRENDS IN BALTI FOLK SONGS

عاشق حسین

پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور لیڈر یونیورسٹی، لاہور

شبیر حسین (ذیشان مہدی)

پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور لیڈر یونیورسٹی، لاہور

Abstract

In literary terms, Femininity is the name given to a woman's mental awakening, the understanding of which has made her realize that she is not an object to be given as a gift, offered as a ransom in the battles of tribes or families, or passed down as property by inheritance, but rather she is a fully human being. Who has certain rights at every level, social, economic, political, psychological. Which cannot be trampled or crushed. This conscious awareness of a woman is called femininity.

Women endured the male-dominated system for a lifetime and continued to love men. The nineteenth century was undoubtedly the golden age of human life. During this era, humans changed the world and the way people think through intellectual and industrial revolutions

Keywords: Femininity, Understanding, social, economic, Political, Psychological.

تانیث (Feminism) عربی زبان کا لفظ "اناث" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی نساء، خواتین، مستورات کے ہیں۔ اردو زبان میں لفظ تذکیر مذکر کے لیے جبکہ تانیث مونث کے لیے مستعمل ہے۔ لغت کے مطابق تانیثت کے معانی یوں بیان کیا گیا ہے۔

ریختہ لغت:۔

تانیث (ع) اسم مونث ۱۔ مونث ہونا، ۲۔ مونث ۱

نوراللغات:۔

تانیث۔ (ع) مونث بنانا، مونث کرنا، مونث، عورت، مونث کی علامت لگانا۔ ۲

فرہنگ آصفیہ:۔

تانیث۔، زنانہ پن، عورت ہونا۔ ۳

Oxford learner's Dictionary-

Feminism (noun)

The belief and aim that women should have the same rights and opportunities as men; the struggle to achieve this aim.۴

Cambridge Dictionary-

Feminism (noun)

The belief that women should be allowed the same rights, power, and opportunities as men and be treated in the same way.۵

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تانیثیت اصطلاحی معنی:۔

ادبی اصطلاح کے مطابق تانیثیت عورت کی اس ذہنی بیداری کا نام ہے، جس کی تفہیم نے اسے یہ احساس دلایا کہ وہ ایک شے نہیں جسے تحفے میں دیا جائے۔ قبیلوں یا خاندانوں کی لڑائی میں بطور تاوان پیش کیا جائے یا جائیداد کی طرح وراثت میں منتقل کیا جائے بلکہ وہ ایک مکمل انسانی وجود ہے جو معاشرتی، اقتصادی، سیاسی، نفسیاتی غرض ہر سطح پر کچھ حقوق کی مالک ہے۔ جسے روندا یا کچلا نہیں جا سکتا۔ عورت کی اسی شعوری بیداری کا نام تانیثیت ہے۔

عورت اور انسانی تاریخ:۔

عورت خالق کائنات کا سب سے بڑا شاہکار ہے جو نہ صرف حسن و جمال، آرائش و زیبائش اور رعنائی و دلکشی رکھتی ہے بلکہ خدا نے عورت کو محبت، غمگساری، نازک خیالی، لطیف جذبات اور احساسات کا مجموعہ بنایا ہے۔ عورت کو امور خانہ داری میں نفاست و سلیقہ شعاری کے ہنر سے نواز ہے تا کہ وہ ازدواجی اور سماجی طور پر ایک بہترین معاشرہ تشکیل دے سکے۔ مرد کی ترقی و کامیابی کے پیچھے عورت ہی کا ہاتھ رہا ہے۔ اگر دُنیا میں عورت کا وجود نہ ہوتا تو مرد کی کوئی حیثیت نہ ہوتی۔ شاید مرد آج بیابانوں اور کوہستانوں میں درندوں کے ساتھ رہ رہ کر صرف ایک زبردست درندے کی صورت میں پایا جاتا اور ساری کائنات سوگوار و مضمحل ہوتی۔

بقول ساغر صدیقی

اگر بزم انسان میں عورت نہ ہوتی	خیالوں کی رنگیں جنت نہ ہوتی
ستاروں کے دلکش فسانے نہ ہوتے	بہاروں کی نازک حقیقت نہ ہوتی
فقیروں کو عرفان ہستی نہ ملتا	عطا زاہدوں کو عبادت نہ ہوتی
خدائی کا انصاف خاموش رہتا	سنا ہے کسی کی شفاعت نہ ہوتی

ارتقائی سفر میں مردوں سے زیادہ عورتوں نے محنت اور مشقت سے کام کیا۔ پتھر کے زمانے سے زرعی دور تک تمام تر ایجادات کا سہرا عورتوں کے سر جاتا ہے۔ ماں ہونے کے ناطے مردوں کی پرورش، ان کی حفاظت اور ان کے لیے اشیاء محفوظ رکھنا عورت کا کارنامہ رہا ہے۔ عورت اور تہذیبی عمل کے حوالے سے ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

> "جیسے جیسے قدیم تہذیبوں کے آثار دریافت ہو رہے ہیں، ویسے ویسے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ معاشرے میں مرد کی موجودہ حیثیت ہمیشہ سے نہیں تھی اور اس کا یہ تسلط اور برتری آہستہ آہستہ تاریخی عمل کے ساتھ قائم ہوئی ہے۔ قدیم تاریخ کے ان آثار و شواہد سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ابتدا میں مادرانہ نظام رائج تھا اور اس زمانے میں عورت معاشرے کی سب سے زیادہ متحرک اور فعال ذات تھی کہ جس نے تہذیب و تمدن کو آگے بڑھانے میں اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کو استعمال کیا"۔٦

تاریخی اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرتی اقدار اور تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ انسان کو ایجادات تک لانے میں عورتوں کا کردار زیادہ رہا ہے مگر جب تحریری تاریخ کا دور آیا تب تک عورت مکمل طور پر اپنی آزادی کھو چکی تھی۔ تب پدرسری نظام شروع ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے تاریخ میں عورت کا وہ روپ نظر نہیں آتا جس میں عورت نے ارتقائی عمل سے مردوں کو جینا سکھایا اور زندگی کے اداب سکھائے۔ اس تاریخی حقیقت کے حوالے سے ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

> "اول تو اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ تحریری تاریخ کے وجود میں آتے آتے انسانی معاشرے پر مرد کا غلبہ ہو چکا تھا اور عورت کی سماجی حیثیت گر چکی تھی اور عورت معاشرے میں مرد کے مساوی نہیں رہی تھی۔ اس غیر مساوی درجے کی وجہ سے مرد کے لیے یہ آسان ہو گیا تھا کہ وہ اسے اپنے مفادات پر قربان کرتے رہے۔ اس لیے مردوں کی اس تاریخ میں عورت قربانی کے بعد گمنام ہو جاتی تھی۔ اس کا کردار ختم ہو جاتا تھا اور اس قربانی کے نتیجے میں جو فوائد ہوتے تھے اس سے

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مرد پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ان تمام قربانیوں کے باوجود معاشرے میں عورت کا سماجی رتبہ نہیں بڑھا۔۷

حقوق نسواں کی ایک جرمن خاتون کا حوالہ دیکر ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

"تاریخ میں عورت کا وجود تو ہے مگر اس کا وہ وجود ہے جو مرد نے تشکیل دیا ہے کیونکہ ہماری پوری تاریخ مردوں کی تاریخ ہے عورتوں کی نہیں۔ اس تاریخ کا جو خاکہ اور فریم ورک ہے اس میں عورت کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اگر وہ تاریخ کے صفحات پر ابھرتی ہے تو اس کا کردار اور عمل مرد کے تابع ہوتا ہے۔ تاریخ کی تعمیر و تشکیل صرف مرد ہی کرتے ہیں اور اگر عظیم مرد نہ ہوں تو تاریخ کا عمل رک جاتا ہے۔ اسی لیے پیغمبروں سے لے کر بڑے بڑے فاتحین سب ہی مرد تھے جو اپنے نظریات و خیالات اور جدوجہد سے تاریخ کا رخ موڑتے نظر آتے ہیں اور خیالات کے اس ہجوم میں اور جدوجہد کے اس عمل میں عورت کا وجود نظر نہیں آتا"۔۸

ان تاریخی حقائق سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جب سے پدر سری دور شروع ہوا یا جب سے مرد خود مختار ہوا تب سے عورت استحصال کا شکار رہی ہے۔ عورت کے کارناموں، خدمات اور صلاحیتوں کو پس پشت رکھا گیا ہے۔ عورت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی جیسے مقدس اور غمگسار رشتوں کی حامل ہو کر بھی استحصال کا شکار رہی ہے۔ جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ دنیا کی تاریخ کا رخ موڑنے، سماج اور تہذیب کی تشکیل، ایجادات، علمی و تخلیقی میدان اور فنون لطیفہ کے علاوہ ہر شعبہ زندگی میں عورت اول دن سے مرد کی ہمسر رہی ہے بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ عورت کی تربیت، رہنمائی اور تحفظ کی وجہ سے مرد مضبوط رہا ہے۔ عورتیں اس شعر کے مصداق ہیں:

قفس میں رہتے رہتے ہوگئی صیاد سے الفت
میں خود ہی نوچ لیتا ہوں مرے جب پر نکلتے ہیں

تانیثی تحریک:۔

عورت ایک عمر تک مردانہ استحصالی نظام کو سہتی رہی اور مردوں کو محبت دیتی رہی۔ انیسویں صدی یقیناً انسانی زندگی میں سب سے سنہرا دور رہا ہے۔ اس عہد میں انسانوں نے ذہنی اور صنعتی انقلابات کے ذریعے دنیا اور انسانوں کی سوچوں کا نقشہ بدل کر رکھا دیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مشتاق احمد وانی راقم طراز ہیں:

"جب سائنسی انقلاب، صنعتی انقلاب، فرانس کا انقلاب، ڈارون کا فلسفہ ارتقاء علم نفسیات کا ارتقاء، مارکس، روسو، فرائڈ اور ڈرکائم کے علاوہ جان اسٹارٹ مل کے افکار و نظریات نے سماجی اور مذہبی ٹھیکیداروں کی خود ساختہ روایتوں، عقیدوں اور ضابطوں کو سائنسی اور عقلی دلائل کی بنیاد پر جھٹلایا تو فرد کی آزادی اور سماجی رشتے کے نظریات کے زیر اثر ایک زبردست تبدیلی رونما ہوئی۔ ان محرکات کے تحت آزادی، انصاف، مساوات، فرد کی آزادی اور جنس کی پہچان کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حقوق کو بھی زیر غور لایا گیا۔ مردوں کی بالادستی والا سماج اس کے لئے فوری طور پر تیار نہیں ہوا کہ عورت کو وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوں جن کی وہ پیدائشی طور پر حقدار تھی۔ اس بیداری کے طفیل سماج کا ہر طبقہ اپنے حقوق کو سمجھنے لگا اور اس کے حصول کی خاطر اجتماعی کوششیں بھی شروع ہوئیں۔ یہی بیداری عورتوں میں بھی آئی۔ اس سلسلے کی پہلی کوشش امریکہ اور برطانیہ میں ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ پورے مغربی اور مشرقی ملکوں میں تانیثی تحریک کے تحت اپنے مطالبات کے لئے آواز بلند کرنا شروع کر دیا۔"۹

دنیا میں تانیثی تحریک کے آغاز وارتقا کے حوالے سے ڈاکٹر سیما صغیر لکھتی ہیں:

"ادب میں تانیثیت ایک اصطلاح کے طور پر رائج ہوئی ہے جس کا سروکار مختلف سطحوں پر خواتین کے تشخص اور مسائل سے ہے۔ عالم کاری اور صارفیت کے اس دور میں بھی نفسیاتی دباؤ، معاشی اور جنسی استحصال کی شکار خواتین ہی ہو رہی ہیں۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ایسے میں جہاں خوف، جبر اور دہشت کا ماحول ہے وہیں رشتوں اور قدروں کے تحت غیر مساویانہ سلوک، شناخت تشخص اور انا وغیرہ کو بھی موضوع بحث بنایا جا رہا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں انگلینڈ، فرانس، امریکہ، جرمنی، روس نے اس جانب پہل کی۔ دنیائے ادب میں برطانیہ کی ادیبہ میری دول اسٹون کرافٹ نے سب سے پہلے حقوق نسواں کے لیے قلم اٹھایا اور ۱۷۸۷ء میں کے عنوان سے تانیثیت پر " Thoughts on the Education of Daughters" پہلا سبق لکھا جس نے دانشوروں کو چونکا دیا۔ ۱۷۹۲ء میں اس نے " A Vindication of the Rights of Women کے نام سے ایک کتاب لکھی جو تحریک نسواں کی پہلی تخلیق سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب مرد مصنف ایڈمنڈ برگ کی کتاب "

A Vindication of the rights (1790) of Men کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ برطانوی فیمنسٹ میری دول اسٹون کرافٹ نے خواتین کے مساوی حقوق اور ان کی حقیقی آزادی کی ہی بات نہیں کی بلکہ ان کے اپنے طرز عمل، غور و فکر پر بھی تنقید کی ہے۔ ورجینیا وولف کی کتاب "A Room of One's Own" اور سیمون دی بووار کی مشہور کتاب The Second Sex" بھی اسی سلسلے کی اہم کتابیں ہیں۔ مغرب میں اس تصور نے سماجیات، ثقافتی مطالعات اور ادبی تھیوری میں زبردست تبدیلی پیدا کی اور آج اس ادبی اور سماجی تحریک کا دائرہ فکر و عمل وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تانیثی نظریہ مغرب کی دین ہے جو خواتین کے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حقوق کی بازیافت کے لیے مروج ہوا اور پھر رفتہ رفتہ تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ حقوق کی پامالی کے رد عمل میں احتجاج ہونا فطری عمل ہے۔ مزاحمت و احتجاج کے اظہار کے لیے قلم ایک اہم ذریعہ ہے۔ اردو ادب میں بھی قلم کار خواتین نے اس تانیثی تحریک کے شدت سے اثرات قبول کیے ہیں۔"۱۰

لوک گیت اور عورت:۔

انسان مرد ہو یا عورت اول دن سے فطرت کا نغمہ نگار رہا ہے۔ غم کے موقع پر رونا اور خوشی کے موقع پر ہنسنا، گنگنانا اور رقص کرنا انسانی فطرت کا حصہ رہا ہے۔ لوک ادب کی تاریخ سے عیاں ہوتا ہے کہ گیت کا آغاز ہی خواتین سے ہوئی ہے۔ ماں نے پہلے پہل بچوں کو بہلانے کی خاطر لوری گنگنائی ہو گی یہ لوریاں اب لوک ادب میں لوک گیتوں کا ایک اہم حصہ ہے۔ گیتوں کا آغاز لوریوں سے ہوا بلکہ یوں کہے تو بے جا نہ ہو گا کہ دنیا میں شاعری کی ابتداء خواتین سے ہوئی ہے۔

بلتی لوک گیت اور تانیثی شعور:۔

بلتستان قدیم تاریخ سے تبت کا حصہ رہا۔ معلوم تاریخی احوال سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ بلتستان اور تبت کے سنگلاخ پہاڑوں کے درمیاں زندگی کرنے والے انسانوں کا معاشرہ زیادہ تر پدر سری رہا ہے۔ دنیا کی تمام زبانیں مادری زبانیں کہلاتی ہیں مگر بلتستان میں بولی جانے والی بلتی زبان کو "پھ سکت" یعنی پدری زبان کہتے ہیں۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ یہاں اول تاریخ سے مرد معاشرے کا حاکم رہا ہے۔ تبت کے قدیم تاریخ میں بھی معاشرے کی تمام تر بھاگ دوڑ مردوں کے ہاتھ میں رہی اور اس کا سلسلہ قبل مسیح سے لیکر اشاعت اسلام تک اور آج دن بھی جاری ہے۔ دنیا کے دیگر معاشروں کی طرح بلتستان میں بھی خواتین ماں، بہن بیٹی اور بیوی جیسے اہم رشتوں کے بندھن میں بندھی ہونے کے باجود معاشرتی استحصال کا شکار رہی ہیں، چونکہ مرد کا کردار حاکم کا رہا ہے اس لئے عورت اندر پلنے والی محرومیوں کا کھل کر اظہار نہیں کر سکتی تھی چنانچہ شاعری (لوک گیت) کو ذریعہ اظہار بنا لیا گیا۔ قدیم زمانہ کی خواتین کے دکھ، درد، محرومی اور ان کے اوپر ہونے والے مظالم کا عکس لوک ادب میں جا بجا ملتا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

بلتی لوک گیتوں میں موجود تانیثی شعور کا اظہار ذیل منتخب لوک گیتوں نمایاں ہیں:

الف۔ بونو مریم (بیٹی مریم)

پس منظر:۔

"سترھویں صدی میں بلتستان کی مقپون سلطنت خانہ جنگی کی وجہ سے کمزور ہو گئی اور جب ۱۷۴۵ء میں سلطان مراد یہاں کار گیالفو یعنی بادشاہ بنا۔ اس زمانے میں کشمیر میں افغانوں کی حکومت تھی کشمیر کے افغان صوبیدار حاجی کریم داد خان نے مرتضی خان کو ایک بڑی فوج دیکر بلتستان پر حملہ کے لئے بھیجا۔ افغان فوج کو فتح حاصل ہوئی اور سلطان مراد کو ایک ذلت آمیز معاہدہ پر دستخط کرنے پڑے۔ جس کے تحت ایک مقررہ تعداد میں باج و خراج کے علاوہ ہر سال چند نوجوان لڑکیوں کو بھی کشمیر بھیجنا شامل تھا۔ سلطان مراد نے باج و خراج کا تو فوری طور پر بندوبست کر لیا۔ لیکن لڑکیوں کی تعداد پوری نہ کر سکا۔ اس پر افغان فاتح نے سلطان مراد کو گرفتار کر کے کشمیر لے جانے کی دھمکی دی۔ سلطان مراد کے ایک جاں نثار کو جب پتہ چلا کہ اس کا آقا کشمیر کے حاکم کو مقررہ تعداد میں لڑکیاں دینے میں کامیاب نہیں ہوا اور اس کے نتیجے میں اسے گرفتار کیا جائے گا۔ تو اس نے اپنی نوجوان بہو جس کا نام مریم تھا پیش کش کی اس طرح تعداد پوری کی گئی۔ افغان فوج ان کو لے کر روانہ ہوئی۔ سلطان مراد نے سکردو کے نمبردار کو ساتھ کر دیا کہ وہ اس فوج کو ذرا آگے جا کر رخصت کر آئے۔ جب یہ فوج برگے نامی پہاڑ پر پہنچی تو نمبردار نے فوج کے سردار سے رخصت چاہی۔ نمبردار جب واپس ہونے لگا تو باج میں جانے والی لڑکیوں میں سے مریم نے اُسے اپنے پاس بلایا۔ اسے لعنت ملامت کی اور غیرت دلائی کہ قوم کی بیٹیاں اس طرح باج و خراج میں لے جائی جارہی ہیں اور تم لوگ بے حس اور بے غیرت ہو کر تماشا دیکھ رہے ہو۔ نمبردار سکردو کو روانہ ہوا اور افغان فوج کشمیر کی طرف روانہ ہوئی۔ نمبردار نے سکردو پہنچ کر مریم کے لعن طعن کو جگہ جگہ سنایا۔ لوگ مریم کے طعنے سن کر جوش میں آگئے اور ایک کثیر فوج نے افغان فوج کا پیچھا کیا اور دیوسائی کے میدان میں افغان فوج کو جالیا۔ بلتی فوج نے اس غیظ و غضب کے ساتھ حملہ کیا کہ افغان فوج کو شکست ہوئی۔ بلتی فوج اپنی دولت اور لڑکیوں کو لے کر واپس ہوئی۔ کہتے ہیں کہ جب بلتی فوج نے ان لڑکیوں کو آزاد کرایا تو مریم نے خوشی کے مارے وہیں جان دے دی۔ ایک اور روایت ہے کہ بلتی فوج کے حملہ سے قبل مریم نے رو رو کر خدا سے دعا مانگی کہ اسے اس ذلت آمیز زندگی اور غلامی سے نجات دلائے، دعا قبول ہوئی اور وہ پتھر بن گئی۔ کہتے ہیں کہ گلتری کے علاقہ کے نزدیک آج بھی عورت نما پتھر ہے جسے لوگ بونو مریم سمجھتے ہیں"۔

"ترجمہ:۔

لڑکی کو لے جانا آپ کی قسم وہ مجھے واقعی لے جارہے ہیں۔ درہ برگے سے بکری کے بچوں کے واپسی لوٹتے وقت وہ واقعی مجھے لے جارہے ہیں۔

لڑکی کو مت لے جاؤ آپ کی قسم میں کہتی ہوں مجھے مت لے جاو مجھ پگلی کے لئے اس ملک میں کوئی راجا کوئی وزیر نہ تھا جو مجھے لیجانے سے روکتا

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

لڑکی کو مت لے جاؤ آپ کی قسم میں کہتی ہوں مجھے مت لے جاو مجھ پگلی کے لئے اس ملک میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں تھا جو مجھے لیجانے سے روک سکتا

لڑکی کو مت لے جاو آپ کی قسم میں کہتی ہوں، مجھے مت لے جاو مجھ پگلی کے لئے اس ملک میں کوئی باپ کوئی بھائی نہیں تھا جو مجھے لیجانے سے روک سکتا

آپ کو میری قسم اگر آپ میرے سسر سے ملیں تو اسے کہیں کہ اپنی بہو کے حصے کا کھانا بھی وہ خود کھائے۔

آپ کو میری قسم اگر آپ میری ساس سے ملیں تو اسے کہیں کہ اپنی بہو کے حصے کے کپڑے بھی وہ خود پہن لے۔

آپ کو میری قسم اگر آپ میرے بے زبان شوہر سے ملیں تو اسے کہیں کہ یہ پگلی دونوں ہاتھوں سے تمہیں الوداع کرتی ہوئی جارہی ہے۔"۱۱

سماجی جبر اور عورت:۔

گیت کے پس منظر اور بول سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ گیت اٹھارویں صدی میں بلتستان کے معاشرے میں موجود سماجی جبر کا اظہار ہے۔ اس وقت جب ایک بادشاہ نے دوسرے بادشاہ کو زیر کیا تو اس کے مال واسباب لوٹنے کے ساتھ نوجوان لڑکیوں کو بھی ہر سال کشمیر بھیجنے کا ایک معاہدہ ہوا۔ یہ معاہدہ خواتین کے استحصال کی تصویر ہے۔ بلتستان کے مغلوب بادشاہ نے بلتستان سے نوجوان لڑکیوں کو غالب فوج کے حوالہ کیا۔ مردوں کو اس بے حسی کو مریم نامی اس خاتون نے للکارا۔ انہوں نے اس گیت کے ذریعے بلتستان کے مردوں کو غیرت کا آئینہ دکھایا۔ گیت میں مریم کے دل میں لگی ہوئی آگ کو مختلف اشعار کی صورت میں حزنیہ لے میں گا کر اظہار کیا گیا ہے۔ گیت میں علاقے کے راجہ اور وزیر کی غیرت کو للکارا ہے جو اس سماج کے حکمران ہیں۔ یہ وزیر اور راجہ اپنے سماج کے لوگوں کو اپنی رعونت دکھاتے تھے، آج ان کی غیرت کو کیا ہوا جو نوجوان لڑکیاں جو مردوں کی غیرت کی علامت تھیں کو غالب قوم کے حوالے کر رہے ہیں۔ گیت میں علاقے کے ان سرکردہ گان کو بھی آئینہ دکھایا گیا ہے جو معاشرے کے ذمہ دار بنے پھرتے تھے۔ آج ان کے ہاتھوں سے ہی اس علاقے کی خوبرو لڑکیاں دشمن کے حوالے ہو رہی تھیں۔ گیت میں ان نوجوانوں کی غیرت اور طاقت کو بھی للکارا ہے جو اپنی قوت بازو پر فخر کرتے نہیں تھکتے تھے۔ گیت میں سماجی کے اس عنصر کا بھی پردہ چاک کیا ہے کہ ساس اور سسر ہمیشہ بہو کو زیر رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ سسر کو اپنے حصہ کا کھانا کھانے اور ساس کو اپنے کپڑوں کے جوڑے پہن لینے کا پیغام سماجی عدم مساوات اور خواتین کے حقوق کے سلب کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلتستان کے سماج میں خواتین کا استحصال جاری تھا جس کا آغاز گھر سے ہوتا تھا۔ سسر اور ساس کے ہاتھوں بہو کو اذیت دینے کی ریت موجود تھی۔ گیت کے آخری بند میں اپنے جیون ساتھی سے محبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ بے زبان (گونگا) ہونے کے باوجود اس کی عزت و تکریم کا دریا بیوی کے دل میں موجزن تھا۔ اس گیت میں اس نے سب کو لعن تعن کیا مگر اپنے گونگے شوہر کو سلام کا تحفہ ارسال کیا۔

تانیثی رجحان:۔

یہ گیت بلتستان کے ایک بہادر بیٹی کی داستان ہے۔ جس نے اپنی جرات اور بہادری سے علاقے کے بے حس حکمرانوں، سرکردہ گان اور نوجوانوں کی غیرت کو للکارا اور ایک حملہ آور فوج سے خراج میں لے جانے والی قوم کی بیٹوں کو بچایا۔ یہ گیت عورت کی بہادری کی علامت ہے۔ ایک غیرت مند بیٹی کی داستان ہے جو تاریخ حقیقتوں کو عیاں کرتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ حکمرانوں نے ہمیشہ اپنی جان و مال بچانے کے لیے رعایا کو قربان کیا ہے۔ عام لوگوں کی ماوں بہنوں کی عزت و توقیر تک کو اپنی گرفتاری پر فوقیت دی ہے۔ یہ گیت اس عہد کے حکمران کی غیرت سے پردہ اٹھاتا ہے اور عام طور پر کمزور سمجھنے والی ایک نہتی لڑکی کی غیرت اور بہادری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ گیت کی پس منظری روایت کے مطابق اس نے جان دینا گوارا کیا لیکن دشمن فوج کے ہاتھوں اسیر ہونا یا ان کے عیش و عشرت کا سامان بننا قبول نہیں کیا۔

ادبی خصوصیات:۔

یہ ایک المیاتی گیت ہے، حزن و ملال کا مجموعہ ہے۔ گیت کو حزنیہ لے میں گایا جاتا ہے۔ اس گیت میں اس عہد میں خواتین کے ساتھ ہونے والے ظلم و زیادتی کو "بونو مریم" کے علامتی نام سے ظاہر کیا گیا ہے۔ گیت میں اس وقت کے درے اور پہاڑی راستوں کی خوب منظر کشی کی گئی ہے۔ اس گیت میں لڑکیوں کو خراج میں دینے والے

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

بادشاہ وقت کے ناعاقبت اندیش فیصلے اور اس حکمران کی بے حسی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے۔ گیت میں نااہل حکمران اور علاقے کے لوگوں کے خواتین کے حوالے سے برتنے والی بے اعتنائی کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ گیت اگرچہ حزنیہ ہے اور اس میں ایک نہتی لڑکی کی بے چارگی اور دکھ کا اظہار کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جرات اظہار سے گیت ایک للکار کی صورت اختیار کر تا دکھائی دیتا ہے۔ گیت میں منظر نگاری، علامت نگاری اور خیالات کے بے ساختہ اظہار سے کام لیا گیا ہے جو ادبی حسن ہے۔ عوامی اظہاریہ ہونے کے باوجود یہ گیت ادبی حسن سے مالامال ہے۔ یہ گیت علامت نگاری کے حوالے سے شاہکار ہے۔

وضاحت:۔

اس گیت کے پس منظر کے حوالے سے مستند تاریخ خاموش ہے۔ نیز اس گیت کے پس منظر کے حوالے سے تاریخی سکالرز سے بھی سوال کیا گیا تو ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ بلتستان پر افغان حملہ آوروں کے حملے کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔ بلتی لوک گیتوں کے مولف و محقق سید محمد عباس کاظمی نے اس حوالے سے کوئی کتابی حوالہ نہیں دیا ہے۔ گیت کے پس منظر کے حوالے سے حقیقت تحقیق طلب ہے۔

ب۔ دس نانی سرمیک (بنجر زمین سرمیک)

پس منظر:۔

"کہتے ہیں کہ سکردو کی وادی کے ایک گاؤں سرمیک میں ایک خوبصورت دوشیزہ تھی۔ اس کی ماں بچپن ہی میں مر گئی۔ اور اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی سوتیلی ماں اس سے اچھا برتاو نہیں کرتی تھی۔ وہ جوان ہوئی تو شادی کے پیغام آنے لگے۔ اس کی ماں نے شادی میں رکاوٹیں ڈالیں اور اس کی شادی نہ ہو سکی۔ رفتہ رفتہ اس کی جوانی ڈھلنے لگی۔ چہرے پر جھریاں پڑنے لگیں۔ بال سفید ہونے لگے۔ اُس نے اپنی ڈھلتی جوانی اور سوتیلی ماں کے سلوک کے متعلق ایک گیت کہا جو "دس نئی سرمیک" کے نام سے مشہور ہے۔"

ترجمہ:۔

"میری سُرخ ڈوروں والی آنکھیں
باپ کی اس گھٹیا بستی سرمیک میں بے نور ہوتی جا رہی ہیں میری آنکھوں کے بے نور ہونے کی سزا خدا میری سوتیلی ماں کو دے۔

میری یہ گھنی اور لمبی زلفیں، باپ کی اس گھٹیا بستی سرمیک میں جھڑتی جا رہی ہیں میری زلفیں جھڑنے کی سزا خدا میری سوتیلی ماں کو دے۔

میرے موتیوں کی لڑی جیسے دانت باپ کی اس گھٹیا بستی سرمیک میں نیلے ہوتے جا رہے ہیں میرے دانتوں کے نیلے ہونے کی سزا خدا میری سوتیلی ماں کو دے۔

میرے سفیدے اور چیڑ کی طرح کا جسم
باپ کی اس گھٹیا بستی سرمیک میں گھلتا جا رہا ہے میرے جسم کے گھلنے کی سزا خدا میری سوتیلی ماں کو دے"۱۲

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

گیت کا اجمالی جائزہ:۔

مشکل الفاظ کے معانی اور اصطلاحی یا ادبی مفہوم:

بلتی لفظ	اردو معنی	ادبی اصطلاحی معنی
مایارمو	سوتیلی ماں	بے وفائی اور سنگ دلی کی علامت
دس	بنجر	بے فایدہ زمین، نقصاندہ جگہ کی علامات
نن	زہر	ضد، انا، ناانصافی، نفرت، ظلم وجبر اور، نفرت کی علامت
غزمیک	نگاہیں	شدت گریہ، تھکن، بے خوابی اور جذبات کی شدت کی علامت
کھراق ناچھینما	خون جگر	
ہلونگ میک	بے نور آنکھیں، ویران نگاہیں	ویران نگاہیں، غم والم کی شدت کی علامت
ہرکالو	زلف	حسن وجمال کی علامت
داہلچنگ	بید کی قسم	
ژر	لڑی	چمک، صفائی، نزاکت اور جمالیاتی علامت
موتک	موتی	
ژرناموتک	موتی کی لڑی	
ہاسو	دانت	دانت کا ادبی یا تکرمی علامت
سو	دانت	ڈھلتی جوانی، زوال کی علامت
سنون	نیلا، پیلا	
سوسنوں	دانت کا پیلا پن	
ستنق	چیڑ، سرو	بلند قدو قامت، خوبصورتی کی علامت
یولاد	سفیدہ	
ستنق نایولاد	سرو قامت	
رگوبونگ	جسم	زوال، خزاں رسیدہ اور بوڑھاپے کی علامت
بونگرول	جسم کا گھلنا	

تشریح وادبی خصوصیات:۔

گیت کا پس منظر اور بول معاشرتی استحصال خصوصا ایک سوتیلی ماں کے منفی کردار کا عکاس ہے۔ یہ گیت ایک ایسے معاشرے کی کہانی ہے جہاں ایک نوجوان لڑکی کے جذبات، احساسات اور انسانی بنیادی حقوق کو ضد اور انا کے ملبے تلے دفن کیا جاتا ہے۔ گیت میں سوتیلی ماں معاشرے کی صنفی عدم مساوات، ناانصافی، بے مروتی، ظلم وجبر اور استحصال کی علامت ہے۔ گیت میں پدرسری نظام کی وجہ سے خواتین کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ سرمیک کو "دس نن" یعنی انتہاتی بے فائدہ بنجر زمین قرار دیکر اس معاشرے کی بے مروتی اور سنگدلی کی مزمت کی ہے، جہاں ایک خوبرو لڑکی کی جوانی معاشرتی بے حسی اور بے مروتی کا شکار ہوتی ہے، ہزار خوبیوں کے باجود وہ اپنا

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

گھر نہیں بسا سکتی۔ اس کی امیدیں، خواہشیں اور جذبات خزاں رسیدہ پتوں کی طرح ایک ایک کر کے جڑ جاتے ہیں۔ گیت میں نن (زہر) ایک سوتیلی ماں کی نفرت اور وحشت کی علامت ہے۔ ایک سوتیلی ماں کی نفرت کے سبب ایک حسین و جمیل دوشیزہ کی نرگسی آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں، بید مجنوں جیسی لمبی زلفیں جڑنے لگتی ہیں، اس کا سفیدے اور سرو جیسا خوبصورت قد و قامت جھک جاتا ہے، اس کے موتی جیسے سفید دانت پیلے پڑ جاتے ہیں مگر اس کی سوتیلی ماں کو یعنی معاشرے کو اس پر پھر بھی رحم نہیں آتا۔ اس گیت میں خواتین کی خواہشات، خواب اور امیدوں کو سراپا نگاری کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ دوشیزہ کی ڈھلتی جوانی، بے نور آنکھیں اور پیلے دانت معاشرتی بے حسی اور جبر کی علامتیں ہیں جبکہ نرگسی آنکھیں، سرو قد و قامت اور موتی جیسے دانت خواتین کے احساسات، جذبات، خواہشات اور امیدوں کی علامتیں ہیں۔

ادبی خصوصیات:۔

یہ گیت نہ صرف مضمون اور خیال کے حوالے سے معیاری ہے بلکہ زبان و بیان کے بھی خوب جوہر دکھائے گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کی اس عہد میں بلتی زبان کا ادب، زبان و بیان اور فکر کے حوالے سے پختہ ہو چکا تھا۔ اس گیت میں علامتوں کے ذریعے معاشرتی بے حسی اور صنفی عدم مساوات کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ گیت میں ایک حسین دوشیزہ کی خوب سراپا نگاری بھی کی گئی ہے۔ جس میں اس کی چڑھتی جوانی اور ڈھلتی عمر دونوں کی خوب تصویر کشی کی گئی ہے۔ گیت میں سادہ اور سلیس زبان استعمال ہوئی ہے۔

سراپا نگاری :۔

چڑھتی جوانی:۔

نرگسی آنکھیں، بید مجنوں کی شاخوں جیسی لمبی زلفیں، سفیدے اور چیڑ جیسے بلند قد و قامت، موتیوں جیسے سفید چمکتے دانت

ڈھلتی جوانی:۔

بے نور آنکھیں، بالوں کا جڑ جانا، کمر کا جھک جانا، دانتوں کا پیلے پڑ جانا

علامتیں:۔

سوتیلی ماں، بنجر زمین، زہر الودہ زمین وغیرہ

گیت کا مجموعی جائزہ:۔

بلتی زبان کی یہ گیت نسائی شاعری کی ایک شاہکار ہے۔ یہ گیت اس عہد کے نسائی شعور کی علمبردار ہے۔ گیت میں ایک دوشیزہ کی زبانی معاشرے میں خواتین کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر احتجاج کیا گیا ہے۔ یہ گیت ایک قدیم معاشرے میں موجود خواتین کی تانیثی شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ اس بلتی معاشرے کی کہانی ہے جہاں عورت زندگی کے فیصلوں میں شامل نہیں ہوتی تھی۔ سینکڑوں سال گزرنے اور جدید دنیا سے جڑ جانے کے باوجود بلتستان کے دیہات میں آج بھی خواتین کی حیثیت گھریلو خدمت گزار کی سی ہے اور معاشرتی انہیں فیصلوں میں شامل نہیں کیا جاتا۔

گیت میں ایک حسین دوشیزہ کا حسن جمال اور سراپا بیان کیا گیا ہے جس سے غنایت اور رومانویت کا رنگ ابھرتا ہے۔ یہ گیت غنایت، رومانویت، سراپا نگاری اور حزن و ملال کا حسین امتزاج ہے۔

ج۔ کلی کشمل (تلسی کا گاوں کشمل)

پس منظر:۔

"بلتستان کی وادی رونگ یل (روندو) میں دریائے سندھ کے بائیں کنارے ایک قدیمی گاؤں آباد ہے۔ جس کا نام کشمل ہے۔ پرانے زمانے میں اسے کلی ملی کشمل کے نام سے پکارتے تھے کسی زمانے میں اس گاؤں میں ایک یتیم لڑکی رہتی

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تھی۔اس کی سوتیلی ماں نے کھیتوں میں بے موسم فصل بوئی تھی اور اس پر یہ لازم قرار دیا تھا کہ وہ دن بھر کھیتوں میں رہے اور اگر چڑیاں یا پرندے کھیت میں اترے تو انہیں اڑائے تاکہ فصل کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔اس کی سوتیلی ماں کھیت میں آکر دیکھتی کہ فصل کے دانوں کے چھلکے کھیتوں میں گرے پڑے ہیں تو وہ اس بچی کی سخت پٹائی کرتی اور اسے کئی کئی دن بھوکا رکھتی۔چونکہ وہ چھوٹی بچی پرندوں کو روکنے سے قاصر تھی۔اس لئے وہ اس کھیت پر چکر لگانے والے پرندوں کی منت کرتی ہے کہ وہ اس کھیت سے کچھ نہ کھائیں اور اگر کھالیا ہے تو ان کے چھلکے وہاں نہ پھینکیں جنہیں دیکھ کر اس کی سوتیلی ماں اُسے مارتی اور بھوکا رکھتی ہے۔اس مظلوم بچی کی پرندوں سے کی گئی یہ فریاد کلمی کشمل کے نام سے مشہور ہے۔"

اردو ترجمہ:۔

"۱۔میرے کلملی کشمل (تلسی کا گاوں) میں شروع سردیوں میں انہوں (سوتیلی ماں) نے باجرہ کاشت کیا ہے۔آسمان پر اڑنے والی چڑیو تم دانے کی امید میں آسماں پر چکر لگا رہی ہو۔

۲۔میری چڑیو! میں تمہیں سلام کرتی ہوں اور خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ میرا باجرہ مت کھانا اور اگر تم نے باجرہ کھا ہی لیا تو اس کا چھلکا زمین پر مت پھینکنا۔

۳۔اگر تم نے چھلکا زمین پر پھینکا تو میری سوتیلی ماں مجھے ڈانٹے گی۔میری چڑیو! کیا تمہیں سوتیلے پن کا کچھ اندازہ ہے؟"۱۳

تشریح و ادبی خصوصیات:۔

سوتیلی ماں کے ظلم کی ماری ایک یتیم لڑکی کی فغاں کو گیت کی صورت میں حزنیہ دھن میں گایا گیا ہے۔یہ ایک حزنیہ گیت ہے۔گیت میں سوتیلی ماں کی ڈانٹ اور ظلم سے سہمی ہوئی لڑکی جسے باجرہ کی فصل کو چڑیوں سے بچانے کے لیے مامور کیا گیا ہے۔وہ اُڑتی چڑیوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ اے آسمان کے حسین اور اچھے پرندو تم میرے کھیتوں میں آکر باجرہ کی فصل مت کھانا، اگر چوری چھپے کھا بھی لے تو چھلکا زمین پر مت پھینکنا تاکہ میں سوتیلی ماں کی غیض وغضب کا شکار نہ ہو۔

یہ گیت ایک دوشیزہ کی کہانی ہی نہیں بلکہ اس معاشرے میں خواتین کے ساتھ روا رکھنے والے استحصالی رویے کے خلاف بغاوت کی آواز ہے۔آسمان پر اڑتے پرندوں سے باتیں کرنا زمین پر موجود پدرسری نظام اور مردانہ تسلط کے خوف کی علامت ہے۔ایک خاتون اپنی خواہشات اور جذبات کے اظہار کے حوالے سے اتنی مجبور ہے کہ وہ آسمان کے پرندوں سے یا مناظر فطرت سے گفتگو کر رہی ہے۔زمین پر اس کے دل کی پکار کو سننے والا کوئی نہیں۔باجرہ کی فصل، کھیت، آسمان پر اڑتے پرندے اور ان پرندوں کے غول کا کھیتوں میں اترنا اور تلسی کا گاوں جیسے الفاظ کے ذریعے گیت میں فطرت نگاری کی گئی ہے۔بے موسم باجرہ کی فصل کاشت کرنا، آسمان میں اڑتی چڑیوں سے گفتگو کرنا اور سوتیلی ماں جیسی علامتوں کے ذریعے ایک قدیم بلتی معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے۔بلتستان کے علاقہ رونگ یل (موجود سب ڈویژن روندو) دو فصلی علاقہ ہے جہاں فصل ربیع میں گندم اور جو جبکہ فصل حریف میں جوار، باجرہ، باقلہ، ترنبہ اور مختلف سبزیاں کاشت کی جاتی ہیں۔باجرہ کی فصل ایسی فصل ہے جس کو پرندے شوق سے کھاتے ہیں۔جن کھیتوں میں باجرہ کاشت کی جاتی تھی ان میں فصل کے خوشے نکلنے سے کاٹنے تک پورے دنوں کی پہرہ داری کرنی پڑتی تھی ورنہ چڑیوں اور پرندوں کے غول فصل پر حملہ کرتے تھے۔جوار اور باجرہ کی فصل کی حفاظت کی ذمہ داری زیادہ تر بچیوں کی ہوتی تھی۔گیت میں سوتیلی ماں ایک ایسے معاشرے کی علامت ہے۔جہاں ایک خاتون معاشرتی پابندیوں کی اسیر ہے۔وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔آسمان پر اڑتے پرندوں کو رشک کی نگاہ سے دکھا گیا ہے جو آزاد فضاوں میں اُڑ رہے ہیں، یہ پرندے آزادی کی علامت ہیں جبکہ باجرہ کی فصل کی حفاظت کے لیے پہرہ داری کرنا معاشرتی جبر کی علامت ہے۔گیت میں بچی پرندوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ اے آسمان کے پرندو! تم خوش قسمت ہو کیونکہ تم آزاد ہو اور سوتیلے پن کے احساس سے عاری ہو۔پرندوں سے مخاطب ہو کر معاشرے کی بے حسی کے اظہار کے ساتھ ساتھ جبر کی زنجیروں کی جکڑی خواتین کو آزادی کا شعور بھی دیا گیا ہے۔یہ گیت تانیثی شعور کی ایک شاندار مثال ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

جائزہ:۔

یہ گیت بلتی زبان میں نسائی ادب کا ایک منفرد نمونہ ہے۔ جس میں فطرت نگاری کا کمال کا مظاہر کیا گیا ہے۔ گیت کا مرکزی خیال ایک یتیم لڑکی ہے جو اپنی سوتیلی ماں کے غیض وغضب کی شکار ہے۔ گیت میں آسمان پر اڑتے پرندوں کی آزادی پر رشک کا اظہار کرتے ہوئے خواتین کے ساتھ ہونے والی معاشرتی ناانصافی کو اجاگر کیا گیا ہے نیز انسانوں کے اندر موجود نفرت، بغض اور انا پرستی کی مذمت کی گئی ہے۔ گیت میں یتیم بچی کے احساسات اور جذبات کے ذریعے معاشرتی اجتماعی دکھ کا اظہار کیا گیا ہے جہاں عورت ہمیشہ مردوں کے تابع ہوتی تھیں۔ معاشرہ ان کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کرتا تھا۔ عورت کی خواہشوں کو روندا جاتا تھا اور خواب ریزہ ریزہ کئے جاتے تھے۔

گیت میں منظر نگاری اور فطرت نگاری کا بھی خوب مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اپنے گاوں سے بے پناہ محبت کے لئے اسے تلسی کا گاوں قرار دیا گیا ہے۔ تلسی ایک مقامی پھول ہے جو اپنی مخصوص بھینی بھینی خوشبو کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ گیت لوک ادب میں خواتین کا نمائندہ گیت ہے، گیت نگار اور گیت کار دونوں خواتین ہی ہیں۔ یہ حزنیہ دھن میں گایا جاتا رہا ہے۔ اس لوک گیت میں خوبصورت اور سلیس زبان استعمال ہوئی ہے۔ معاشرے کی ایک لاچار اور مجبور لڑکی کی صدا ہے جس میں اس کی مجبوری اور سوتیلے پن کے غضب کی نقشہ کشی کی گی ہے۔

بلتی زبان کے دیگر گیتوں کی طرح یہ گیت بھی اپنی خوبصورت شاعری اور مضمون کی وجہ سے تادیر زندہ رہنے والا گیت ہے۔ یہ گیت بلتی لوک ادب میں تانیثی فکر کا نادر نمونہ ہے۔

د۔ کاہر کونگ چھونغے بیلا (روشندان کے بلے)

پس منظر:۔

"کاہر کونگ چونغے بلا کا مطلب ہے آنگن کے بڑے روشندان کا بلا، کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں ایک عورت تھی۔ جس کا خاوند پیشہ کے لحاظ سے تاجر تھا اور مشغلہ اس کا شکار کرنا تھا۔ اس عورت نے ایک اور مرد کے ساتھ دوستی لگا رکھی تھی۔ اور جب بھی اس کا خاوند شکار یا تجارت کے لئے جاتا تو وہ اپنے دوست کو گھر بلا لیتی۔ ایک دفعہ تاجر کسی سفر پر روانہ ہوا تو بیوی نے اپنے دوست کو اطلاع کر دی کہ آج میرا شوہر سفر پر روانہ ہوا ہے، تم شام کو آجانا۔ خاوند اچانک گھر واپس آگیا، بیوی بہت سٹ پٹائی، وہ اپنے آشنا کو اس بات سے مطلع نہیں کر سکتی تھی۔ کہ اس کا شوہر واپس آگیا ہے۔ تاجر اور بیوی سونے لگے۔ لیکن بیوی کو نیند نہ آئی کیونکہ اسے پتہ تھا کہ آدھی رات کو اس کا آشنا آئے گا اور اس کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ آدھی رات ہوئی تو اس کا آشنا اس کے گھر کی چھت پر چڑھا اور آنگن میں اترنے کی کوشش کرنے لگا۔ عورت نے اس کے پیروں کی آہٹ سن لی تو گھبرا گئی۔ اپنے ساتھ سوتے ہوئے بچے کی چٹکی لی۔ بچہ رونے لگا۔ ماں نے بچے کو چپ کرانے کے لئے لوری دینی شروع کی اور اپنے آشنا کو اشاروں ہی اشاروں میں سمجھانے لگی کہ وہ واپس چلا جائے۔"

ترجمہ:۔

"کسی کو نیند آتی ہے کسی کو نہیں آتی اے چھت کے روشندان والے بلے ہش ہش! اے میرے روشندان کے بلے واپس چلے جاؤ بڑے تاجروں کو تجارت کی فکر میں راتوں کو نیند نہیں آتی۔ تم واپس چلے جاؤ

کسی کو نیند آتی ہے کسی کو نہیں آتی اے چھت کے روشندان والے بلے ہش ہش، میرے روشندان کے بلے واپس چلے جاؤ بڑے شکاریوں کو شکار کی فکر میں راتوں کو نیند نہیں آتی۔ تم واپس چلے جاؤ

کسی کو نیند آتی ہے کسی کو نہیں آتی اے چھت کے روشندان والے بلے ہش ہش اے میرے روشندان کے بلے واپس چلے جاؤ بڑے بادشاہوں کو اپنی رعایا کی فکر میں رات کو نیند نہیں آتی تم واپس چلے جاؤ"[۱۴]

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

توضیح و تشریح:۔

یہ غنایہ گیت ہے۔اس گیت میں محبوبہ اپنے عاشق سے اپنی مجبوری بیان کرتی ہے۔ مجبوری بھی ایسی کہ جس کا کھل کر اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے میں وہ اپنے عاشق کو اشاروں اور کنایوں کی زبان میں خطرے اور اپنی مجبوری سے آگاہ کرتی ہے۔ گیت ایک لوری کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جو قدیم بلتی عہد کی عکاس ہے جہاں مائیں اپنے بچوں کو سلانے یا چپ کرانے کے لیے بلی کا خوف دلاتی تھی۔ گیت میں "روشندان کا بلا" ذو معنی استعمال ہوا ہے۔ گیت کار خاتون اپنے آشنا کو اشاروں کی زبان میں سمجھا رہی ہوتی ہے کہ گھر میں میرا تاجر اور شکاری شوہر موجود ہے۔ ایسے میں تر اواپس چلے جانے میں بہتری ہے۔ یہاں گیت میں تاجر کو تجارت کے وسوسے کی وجہ سے، شکاری کو شکار کی فکر میں اور بادشاہ کو رعایا کی غم میں نیند نہ آنے کا ذکر کر کے گیت کو اجتماعی بنایا دیا گیا ہے۔ گیت میں تاجر، بادشاہ اور شکاری جیسی علامتوں کے ذریعے معاشرتی حرص اور بے دردی کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ گیت خواتین کی مجبوریوں کی عکاس کرتا ہے۔

جائزہ:۔

یہ گیت محبت اور دوستی کی کہانی ہے۔ اس گیت میں نہ صرف اک محبوب اور عاشق کی مجبوری بیان کی گئی ہے بلکہ اشاروں اور کنایوں کے ذریعے اپنے جذبات اور پیغام پہنچانے کا سلیقہ بھی بیان کیا گیا ہے جو کہ بلتی لوگ گیتوں کی ایک خصوصیت ہے، بہت سارے گیت مخصوص مواقع پر پیغام رسانی کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ بلتی سماج میں یہ رواج عام تھا کہ جب کسی کو رازداری کے ساتھ کوئی پیغام بھیجنا ہوتا تو مخصوص لوک گیت سنائے یا بھیجے جاتے۔ اس گیت میں بھی اپنے محبوب کو گھریلو مجبوری سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہ پہلو بھی موجود ہے کہ ایک خاتون کا اپنے من پسند شخص سے ملنا یا اس سے تعلق قایم رکھنا معاشرے میں کس قدر معیوب سمجھا جاتا تھا۔ گیت اس حقیت کا بھی اظہار کرتا ہے کہ ہر انسان خواہ وہ عورت ہو یا مرد اپنے من پسند شخص کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے مگر جب معاشرتی پابندیوں کی وجہ سے وہ ایسا کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ اپنی روح اور دل کی تسکین کے لیے غلط راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ انسان غلط راستہ تب اختیار کرتا ہے جب اس سے آزادی چھین لی جاتی ہے۔ گیت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے اس عورت کی جس شخص سے اس کی شادی ہوئی ہے وہ اس کا من پسند شخص نہیں۔ وہ ایک کاروباری اور اپنے شوق میں سرگرداں رہنے والا شخص ہے۔ اس کے پاس اس کی دلجوئی کے لیے وقت نہیں۔ ایسے میں جب بھی اس کو وقت ملتا اپنے من پسند شخص سے ملنے کی کوشش کرتی، جس سے مل کر اس کی روح کو تازگی ملتی مگر سماجی پابندیوں کے باعث وہ غلط راستہ چننے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس گیت میں بنیادی طور پر مردوں کے معاشرے میں خواتین کی لاچاری کا المیہ بیان ہوا ہے۔ پدرسری معاشرے میں زمانہ قدیم سے ہی خواتین کی شادیاں گھر کے بڑوں کی مرضی سے طے ہوتی رہی ہیں۔

گیت میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ خواتین کو اپنی مرضی اور دلی پسند کے مطابق زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیا جاتا جس کا نتیجہ خرابی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

ادبی خصوصیت:۔

یہ گیت فکری اعتبار سے رومانی اور غنائی ہے۔ اس کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ اس گیت میں اشاروں کی زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔ اپنے عاشق کو روشندان کا بلا کہہ کر اشاروں کی زبان میں خطرات اور مجبوریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ گیت میں تاجر کا نیند اُڑ جانا، شاہ کو سکون نہ ملنا اور شکاری کو آرام نہ آنا سماجی مسائل علامتیں ہیں۔ اس میں تاجر سے مراد سماجی کاروباری ذہینت ہے جو اپنے کاروبار میں مگن رہتا ہے اور اپنوں کے جذبات اور احساسات سے غافل ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کی بے سکونی سے مراد حکومت کرنے اور دولت کمانے کے چکر میں ملنے والی اجتماعی بے سکونی کی ہے۔ شکار اور شکاری بھی علامتیں ہیں جو مردوں کی خود غرضی کی علامت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ معاشرہ عورت کو اپنی دولت اور طاقت کے بل بوتے پر شکار تو کرتی ہے لیکن اس کا دل جیتنے میں ناکام رہتا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

حوالہ جات:۔

۱۔ ریختہ برقی لغت www.rekhta.com

۲۔ مولوی نورالحسن نیر، نوراللغات، طبع سویم، ۲۰۰۶ء

۳۔ مولوی سید احمد دہلوی، فرہنگِ آصفیہ طبع اول، ۱۹۰۲،

۴۔ Oxford Learner's Dictionaries. https://www.oxfordlearnersdictionaries.com/definition/english/feminism

۵۔ Cambridge Dictionary https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/feminism

۶۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، تاریخ پبلکشنز، لاہور، س ن ص ۲۱

۷۔ ایضاً ص ۱۱

۸۔ ایضاً ۱۲

۹۔ مشتاق احمد وانی، ڈاکٹر، اردو ادب میں تانیث، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاوس، دہلی انڈیا، ۲۰۱۳ء ص ۱۵، ۱۶

۱۰۔ سیما صغیر ڈاکٹر، تانیثت اور اردو ادب (روایات، مسایل اور امکانات)، براون بک پبلکیشنز نیی دہلی، ۲۰۱۸ ص ۱۴، ۱۵

۱۱۔ کاظمی، سید محمد عباس، بلتی لوک گیت،، لوک ورثہ اسلام آباد دوسری اشاعت سال ۱۹۸۸ء ص ۸۵، ۸۷

۱۲۔ ایضاً ۱۳۹، ۱۴۱

۱۳۔ ایضاً ۱۴۲، ۱۴۴

۱۴۔ ایضاً ۱۳۶، ۱۳۸